ستمبر 2022

ماہنامہ

سبقِ پھر پڑھ

لاہور

بیاد

بابائے خلافت، چودھری رحمت علی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ

مدیرِ مسئول

ال عمران چوہدری

دار السّلام

تمام مسلم ممالک کو ملا کر کُرّۂ ارض پر معرضِ وجود
میں آنے والی عظیم تر اسلامی مملکتِ واحدہ کا نام

الخلافۃ

تحریکِ عظمتِ اسلام

لٹریچر دستیاب ہے (بالکل فری)

آپ اپنی تعلیم، پتہ اور دنیا میں دینِ حق کو سر بلند کرنے میں آپ کی تڑپ کے متعلق ایک مختصر جملہ بھیج کر درج ذیل لٹریچر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ خرچہ ڈاک بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔

نام	صفحات
1- اسلام پر کیا گزری	16
2- نظامِ خلافت ہی کیوں؟	16
3- ہماری سمت درست نہیں	16
4- خلافت، فیوض و برکات	08
5- ہمارا تعارف اور ہدف	04

نوٹ:

1- ان پمفلٹس کا صرف ایک سیٹ منگوا سکتے ہیں۔

2- پتہ صاف ستھرا اور واضح لکھیں تاکہ ڈاک کا مسئلہ نہ ہو۔

3- خود بغور پڑھیں اور آگے کسی دوسرے کے حوالے کریں۔

4- طلبا و طالبات کو ترجیح دی جائے گی۔

ملنے کا پتہ: دارالسلام (4 - 29 / B) واپڈا ٹاؤن لاہور موبائل: 0300 - 8425428

منزل سے آگے بڑھ کر منزل تلاش کر
مل جائے تجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر
سجدوں سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں
دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بَلِّغْ

مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ

مُدیر

چودھری رحمت علی مرحوم بابائے خلافت

نوٹ

1- عطیات وواجبات بینک الحبیب لمیٹڈ کی برانچ واپڈا ٹاؤن، لاہور کے اکاؤنٹ نمبر 4-01-101 0040-0081-000 میں جمع کروائیں۔

2- ''سبق پھر پڑھ'' کی مطلوبہ کاپیاں خرید کر آپ اپنے ہاں مفت یا قیمتاً تقسیم کر کے اشاعتِ دین کے فرضِ منصبی سے عہدہ براء ہو سکتے ہیں۔

3- ادارہ کا مضمون نگار سے کلی طور پر اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون

فی شمارہ :-/30 روپے
سالانہ :-/300 روپے

بیرونِ پاکستان منگوانے کے خواہشمند حضرات علیحدہ رابطہ کریں۔

اے اللہ! ہمیں وہی کام کرنے کی توفیق عطا فرما جو مسلمانانِ عالم کو دنیا میں بالا کر دیں، جو تیرے دین کو غالب کر دیں

سبق پھر پڑھ

ماہنامہ لاہور۔ پاکستان

جلد:30 شمارہ 09 صفر 1444ھ ستمبر 2022ء

اس شمارے میں

☆ اداریہ: اہمیت وضرورت ---------------04
☆ جہاد، جمہوریت اور نفاذِ اسلام سے متعلق کنفیوژن! ----20
☆ نفاذِ شریعت کا اولین نمونہ ---------------24

مقامِ اشاعت

چودھری ال عمران پبلشر نے میٹرو پرنٹرز سے چھپوا کر دارالسلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور سے شائع کیا

CPL NO. 91

CPL NO. 91

خلافت‘ ہمارے جملہ مسائل کا حل

(یہ تحریر چودھری رحمت علی مرحوم‘بابائے خلافت‘ کی تصنیف کردہ کتاب’’خلافت‘ ہمارے جملہ مسائل کا حل‘‘ سے لی گئی ہے۔کتاب چونکہ تقریباً125 صفحات پر مشتمل ہے اور ایک انتہائی قیمتی تحریر ہے لہٰذا اس کو مرحلہ وار ماہنامہ’’سبق پھر پڑھ‘‘ میں شائع کیا جارہا ہے۔ملاحظہ ہو قسط نمبر 2)

اہمیت وضرورت

باب دوم...... چودھری رحمت علی مرحوم

صدیوں کے انحطاط نے خلیفہ وخلافت کی اہمیت وضرورت کو ذہنوں سے اس قدر اوجھل کردیا ہے کہ عام مسلمان کی بات تو درکنار کہ وہ خلافت کو ایک سنجیدہ موضوع ہی نہیں سمجھتا‘ علماء کرام اور فقہاء عظام کے ذہنوں میں بھی اس کا موہوم سا تصور کچھ یوں رہ گیا ہے جیسے یہ محض ایک انتظامی معاملہ ہے۔اسے نوع بشر کی خوش قسمتی سمجھئے کہ اللہ کی آخری کتاب قرآنِ مجید آج ہمارے ہاں اپنی اصل حالت میں موجود ہے ورنہ آج کے مسخ شدہ ماحول میں آنکھ کھولنے والا انسان خلافت کی اہمیت وضرورت سے ساری عمر بے خبر رہتا۔درجنوں خودمختار حکمرانوں کی موجودگی میں پوری اسلامی دنیا کے لئے ایک سربراہ کا ہونا شاید فکرونظر سے اوجھل رہتا اگر قرآن و سنت ہماری رہنمائی کے لئے موجود نہ ہوتے۔امکان غالب تھا کہ’’خلافتِ واحدہ‘‘ اور’’امت واحدہ‘‘ جیسی اصطلاحات قصۂ پارینہ بن جاتیں۔ذیل میں ہم قرآن وسنت کی روشنی میں خلیفہ و خلافت کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہیں یہ واضح کرنے کے لئے کہ خلافت محض ایک انتظامی وحکومتی معاملہ ہی نہیں‘ ایک دینی ضرورت ہے بلکہ عین دین ہے۔بات یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں کس غرض کے لئے بھیجا ہے؟

مقصد تخلیقِ آدم:

قرآن مجید میں ایک ہی مقام پر سورۂ ذاریات میں انسان کو اس دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد بیان ہوا ہے اور وہ یوں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات:۵۶)

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

یہ طے ہونے کے بعد کہ اللہ کی عبادت ہی مقصد تخلیقِ آدم ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ ایک عام سطح کا آدمی ''محض عبادت'' سے شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ اسے دنیا میں کوئی اور کام نہیں کرنا بس گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر صبح و شام تسبیح و مناجات کرتے رہنا ہے۔ ظاہر ہے اسلام جیسا آفاقی و ابدی دین انسانوں کو رہبانیت و خانقاہیت وغیرہ کا پروگرام نہیں دے سکتا۔ قرآن و سنت تو اپنے نفس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے کی بھلائی اور انسانیت کی خدمت کا بھی درس دیتے ہیں۔ **لا رھبانیۃ فی الاسلام**۔ ''محض عبادت کے لئے پیدا کئے جانے کا مفہوم'' بالکل سادہ و آسان ہے اور وہ یہ کہ انسان' جس کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے چند اعضاء و جوارح کا مجموعہ ہے۔ اس کا دماغ ہے' آنکھیں' کان' ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ یہ اعضاء جب بھی کوئی حرکت کرتے ہیں تو نتیجہ کے طور پر نیکی ہو رہی ہوتی ہے یا گناہ' تیسری کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انسان کو محض عبادت کے لئے پیدا کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ سن شعور سے لے کر آخری سانس تک اس کے ہر ہر عضو کی ہر ہر حرکت نیکی کے لئے ہو' بدی کے لئے کبھی نہ ہو۔ کام اصل میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر اسے ایک طریقہ سے کیا جائے تو نیکی ہو جاتا ہے اور اگر اسے دوسرے طریقے سے کیا جائے تو گناہ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک جج ایک مقدمے کی دو تین سال سماعت کرنے کے بعد اگر پوری دیانتداری سے فیصلہ کرتا ہے تو جتنا وقت اس نے اس مقدمے کو فیصلہ تک پہنچنے میں صرف کیا ہے تمام کا تمام عبادت قرار پائے گا۔ یہاں تک کہ اگر فیصلہ سہواً حقیقت کے خلاف

بھی ہو جائے تو وہ اکہرے ثواب کا پھر بھی مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ اور اگر وہی جج اسی مقدمے کا فیصلہ کسی کی سفارش پر یا رشوت وغیرہ لے کر اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے تو پورے کا پورا عرصہ سماعت اس کے نامہ اعمال میں گناہ کے طور پر لکھ لیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ ایک ڈاکٹر' ایک دکاندار' ایک کاشتکار کے ایک ایک عمل کے متعلق ہے۔

پھر تھوڑا سا گہرائی میں جائیں تو نیکی اس وقت ہو رہی ہوتی ہے جب انسان کے جسمانی اعضاء کی حرکت قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ بصورت دیگر گناہ ہی صادر ہو رہا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسانی جسم کی مختلف حرکات' اگر انہیں عبادت قرار پانا ہے تو لازمی ہیں کہ قرآن وسنت کے مطابق ہوں۔ ایک مومن کا اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا' کھانا پینا' جنگ کرنا' صلح کرنا' ہر کام قرآن وسنت کا پابند ہو۔ ایک طرف اس کے اعمال کو دیکھا جائے اور دوسری طرف قرآن کے احکام کو تو ان میں مکمل ہم آہنگی و مطابقت پائی جائے۔ بالفاظِ دیگر وہ چلتا پھرتا قرآن ہو۔ اسی حقیقت کو علامہ یوں بیان کرتے ہیں۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

عبادت بغیر دعوتِ دین ممکن نہیں:

جب انسانی جسم کے ہر ہر عضو کی ہر ہر حرکت عبادت ٹھہری تو لازمی ہوا کہ اس دنیا میں پیدا ہونے والا ہر انسان قرآن وسنت کے احکام سے آگاہ ہو۔ اگر اسے ان احکام کا علم ہی نہ ہوگا تو وہ ان پر عمل پیرا نہیں ہو سکے گا۔ اور ظاہر ہے اگر قرآن وسنت کے مطابق عمل نہیں کر سکے گا تو عبادت نہیں کر سکے گا اور اگر عبادت نہیں کر سکے گا تو نجات حاصل نہیں کر پائے گا۔ بالفاظِ دیگر قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف تو ہر ہر کام' جو انسان نے اس دنیا میں کرنا ہے' کے متعلق قرآن وسنت میں ہدایات موجود ہوں تو دوسری طرف تعلیماتِ قرآن کا ہر ہر انسان تک پہنچنے کا بندوبست ہو خواہ وہ انسان مسلم ہو یا غیر مسلم کیونکہ قیامت کے دن ہر انسان کو ایک ہی پلیٹ فارم پر اپنے رب کے حضور جوابدہی کے لئے پیش ہونا ہے۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے ان

دونوں باتوں کا بھرپور انتظام کررکھا ہے۔ جہاں تک قرآن کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کا تعلق ہے تو یہ اس دن سے اپنی مکمل حالت میں موجود ہے جب کہہ دیا گیا کہ ''**اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ**'' کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا ہے۔ قرآن وسنت وہ عظیم ذخیرہ ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کی اکثر و بیشتر ہدایات براہِ راست رکھتا ہے۔ اگر کسی معاملے کے بارے میں براہِ راست ہدایات نہیں' تو ان کے بارے میں یہی ذخیرہ ضابطہ وقانون دیتا ہے کہ کیسے استنباط کیا جائے۔ جہاں تک ہر انسان تک تعلیماتِ قرآن یا تعلیماتِ وحی پہنچنے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی بھرپور انتظام کررکھا ہے۔ اس دنیا میں پہلا آنے والا انسان یعنی حضرت آدمؑ خود نبی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وقفہ وقفہ کے بعد پیغمبروں کی بعثت اور الہامی کتابوں کی تنزیل کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر چونکہ وحی کا علم پہنچنے اور نہ پہنچنے پر عبادت ونجات کا دارومدار تھا اس لئے پیغمبروں کو رسالت کا کام چیلنج کے طور پر دیا۔ چنانچہ آخری رسول ﷺ کو یہ کام دیتے ہوئے یوں فرمایا گیا۔

''**یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ**''o(**المائدہ: ٦٧**)

''اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا''۔

پھر چونکہ سلسلہ نبوت عنقریب ختم ہونے والا تھا لیکن انسانوں نے تا قیامت پیدا ہوتے رہنا تھا لہٰذا یہ پہنچانے کا کام امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی قرار دے دیا۔ یاد رہے کہ پہنچانا محض دعوت وتبلیغ ہی سے نہ تھا' شہادت سے بھی تھا۔ یعنی وعظ ونصیحت اور تبلیغ کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت پر مبنی نظامِ عدل وقسط یا نظامِ خلافت کو اس طور پر قائم ودائم رکھنا تھا کہ اس کا وجود دنیا میں عملاً بطور گواہی موجود ہوتا۔ شہادت کے بغیر محض دعوت کا معاملہ تو وہ صورت ہوئی ''اے ایمان والو! کیونکر کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں'' (صف:٢) لہٰذا دوٹوک فرمایا گیا:

”وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًاط“ (البقرۃ: ۱۴۳)۔

”اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ”امت وسط“ بنایا تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو“۔

اسی حکمِ خداوندی کا اعادہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کے عظیم اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ ”میری طرف سے پہنچاتے رہو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو“ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ”جو موجود ہیں وہ ان کو پہنچائیں جو موجود نہیں ہیں“۔ ان احکام سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوگئی کہ اب تا قیامت وقت کے ہر موڑ پر موجود مسلمانوں کا یہ فرضِ منصبی طے ہوگا کہ وہ قرآن وسنت کی تعلیمات بالخصوص ان لوگوں تک پہنچائیں جو غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے براہِ راست کتاب وسنت سے استفادہ نہ کرسکے۔ پھر چونکہ اس پہنچانے پر اربوں کھربوں انسانوں کی نجات کا دارومدار ہے لہٰذا نہ پہنچانے والوں کو سخت ترین الفاظ میں وعید سنادی۔ چنانچہ فرمایا:

”اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ لا اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَo“ (البقرۃ: ۱۵۹)

”جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، درآں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔“

دعوتِ دین بغیر غلبۂ دین ممکن نہیں:

یہ بات سمجھنے کے لئے کسی ارسطو کے دماغ کی ضرورت نہیں کہ دعوتِ دین کا کام تبھی بتمام وکمال ادا ہوسکتا ہے جب مسلمان دنیا میں غالب حیثیت میں ہوں۔ مغلوب کی دعوت وتبلیغ

اول تو ویسے ہی بے اثر ہوتی ہے اور دوسرے یہ غالب کی صوابدید پر ہوتا ہے کہ وہ مغلوب کو دعوت کا کام کرنے بھی دے یا نہ۔ اگر مسلمانوں سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اور سپر طاقت ہوگی تو وہ فتنہ بن کر راستے کا پتھر بن جائے گی جیسا کہ روس نے تقریباً بہتر تہتر سال اپنے ہاں دعوت وتبلیغ کا کام نہیں کرنے دیا۔ آج کی دنیا میں جب مسلمان مغلوب اور ویٹو پاورز غالب ہیں' کفار ومشرکین کا مسلمانوں سے ہدایت ورہنمائی لینا تو درکنار الٹی گنگا بہہ گئی کہ وہ نہ صرف مسلمانوں کو ہدایات دیتے ہیں بلکہ صبح وشام ایسے اقدامات کرتے ہیں کہ مسلمان خود کتاب وسنت پر عمل کرنے نہ پائیں۔

غلبۂ دین بغیر جہاد ناممکن:

تاریخِ انسانی میں کبھی بھی کوئی پیغمبر کفر کی رعیت بن کر مغلوبانہ حیثیت سے زندگی گزارنے کا پروگرام لے کر نہیں آیا۔ اس نے ہمیشہ ادیانِ باطل کو چیلنج اور ان کی بیخ کنی کر کے نظامِ حق کو غالب کرنے کی کوشش کی۔ کافرانہ نظاموں نے بہر حال ایسی تبدیلی کو کبھی بھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا لہٰذا پیغمبروں کو بسا اوقات مجبوراً طاقت کا استعمال کرنا پڑا کیوں کہ دعوت وتبلیغ کے راستے میں کسی روک ٹوک اور مزاحمت کو گوارا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو جو ہدف (Target) دیا گیا ہے وہ ہے ہی غلبہ حاصل کرنا' خواہ اس کے لئے کتنا ہی لڑنا پڑے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ(الانفال:۳۹)

''اور کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔''

یاد رہے یہ جہاد محض روک ٹوک (فتنہ) کو کچلنے کیلئے ہے' کسی کو بزور مسلمان کرنے کے نہیں۔ **لا اکراہ فی الدین**۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ جو خود گمراہ ہیں طاقت کے بل بوتے پر باقی دنیا کو گمراہ کرنیکی سکت سے محروم کر دیئے جائیں (They may exit but they

can't resist)

جہاد بغیر خلافت ناممکن:

قرآن وسنت کی رو سے یہ جہاد نہیں کہ ہر آدمی یا چند آدمی جب چاہیں اٹھ کر نظامِ باطل سے ٹکرا جائیں۔ یہ بھی جہاد (قتال بالسیف) نہیں کہ مسلمانوں کی چند ٹولیاں مختلف نظموں کے تحت نظامِ کفر سے بھڑ جائیں۔ ایسا جہاد کسی ہنگامی اور وقتی ضرورت میں تو جہاد کہلائے گا ورنہ فساد متصور ہوگا۔ شرعی جہاد یہ ہے کہ وقت کے کسی بھی موڑ پر موجود مسلمان ایک نظم کے تحت ایک امیر کے حکم پر حق وصداقت کی سربلندی و بالادستی کے لئے نظامِ باطل کے خلاف صف آراء ہو جائیں۔ بالفاظِ دیگر شرعی جہاد اسی وقت ممکن ہے جب پوری اسلامی دنیا ایک خلیفہ کی سربراہی میں ہو۔ ایسا ہوگا تو مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہو کر ایک ڈھال کی شکل اختیار کرے گی۔ یہی حقیقت ہے جس کو ہادئ برحق نے یوں بیان فرمایا:

”امام سپر ہے جس کے پیچھے مسلمان لڑتے ہیں اور جس کی وجہ سے لوگ بچتے ہیں تکلیف سے۔ پھر اگر وہ حکم کرے اللہ سے ڈرنے کا اور انصاف کرے تو اس کو ثواب ہوگا اور جو اس کے خلاف حکم دے تو اس پر وبال ہوگا“ (مسلم)

اگر مسلمان خلافت کے تحت یکجا ہونے کی بجائے متعدد خودمختار مملکتوں میں بٹے ہوئے ہوں جیسے کہ وقت کے موجودہ موڑ پر ہیں تو طاقت منتشر ہونے کی وجہ سے کفر کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔ پھر بسا اوقات آپس ہی میں دست وگریباں ہوں گے بلکہ کفر خود آگے بڑھ کر ان غیر شرعی معرض وجود میں آئے ہوئے اَن گنت سربراہان کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رکھے گا۔ یاد رہے حالیہ ایران وعراق اور عراق وکویت وغیرہ کی باہمی لڑائیاں اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ گھر لٹا تو مسلمان کا اور تباہی وبربادی ہوئی تو امتِ مسلمہ کی۔ اغیار نے محض تماشہ دیکھا۔

امر بالمعروف اور نهی عن المنکر کا فریضه بهی ' جو اس آخری امت کا فرضِ منصبی هے بغیر خلافت و اقتدار ممکن نهیں . اسی لئے اسے

لازم ھی اس وقت قرار دیا جب خلیفہ و اقتدار معرضِ وجود میں آچکے ہوں. چنانچہ فرمایا گیا :

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ہ(الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے' معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے''۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کی کیا بات' آیت مذکورہ سے عیاں ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے شعبہ جات بھی خلافت کی موجودگی ہی میں بطریق احسن رواں دواں رہ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

جیسے کہ اس باب کے آخری صفحہ پر دی گئی جدول سے ظاہر ہے نتیجہ یہ نکلا کہ خلافت ہوگی تو جہاد ممکن ہوگا۔ جہاد ہوگا تو غلبۂ دین کا حصول ممکن ہوگا۔ غلبۂ دین ہوگا تو دعوتِ دین کا کام اپنے تمام تقاضوں سمیت پورا ہوسکے گا۔ پھر دعوتِ دین کا کام ہوگا تو عبادت ممکن ہوگی اور عبادت ہوگی تو نجات کا ذریعہ بنے گی ۔ بالفاظِ دیگر بغیر خلافت نہ مقصدِ بعثتِ رسول یعنی غلبۂ دین (**لیظھرہ علی الدین کلہ**) ممکن ہے نہ امتِ مسلمہ کو معرضِ وجود میں لائے جانے کے مقصد کی تکمیل یعنی دعوتِ دین (شہادت علی الناس) ممکن ہے اور نہ ہی مقصدِ تخلیقِ آدم یعنی عبادت کا وقوع وظہور ممکن ہے۔ ظاہر ہے جب ان تینوں بڑے مقاصد کی تکمیل بغیر خلافت ممکن نہیں تو باقی دین ہے کیا؟ یہی وہ صورتِ حال ہے جو بہ زبان حال بتا رہی ہے کہ خلافت اور دینِ حق ہم معنی ہیں۔ قرآن میں ہی دینِ حق کو خلافت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط(الفتح: ۲۸)

’’وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے‘‘

الھدیٰ یعنی الکتاب کے علاوہ دینِ حق یعنی قرآن وسنت پر مبنی نظام کا ذکر بطورِ خاص کر کے اسے دوسرے تمام نظاموں پر غالب کرنا بعثتِ رسول ﷺ کا مقصد قرار دیا۔ مختصراً یہ کہ اسلام ایک نظریہ ہے اگر اس کی اقامت نہ ہو اور جب بھی کسی خطہ ٔ زمین پر اس کی اقامت ہو جائے تو یہی خلافت ہے۔ ہم احیائے خلافت کی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں لیکن احیائے اسلام کی اصطلاح کا استعمال غلط ہوگا اس لئے کہ اسلام بہر حال قرآن وسنت میں اپنی کامل اور مکمل شکل میں زندہ وموجود ہے۔ اسے ازسرِ نو زندہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا وہ مردہ و بے جان ہو چکا ہے اور یہ وہ بات ہے جو کسی مومن کے حیطہ ٔ وہم وتخیل میں بھی نہیں آسکتی۔

الکتاب کا ہی نہیں المیزان کا نزول بھی:

خلافت وہ عادلانہ‘ متوازن اور افراط وتفریط سے پاک نظام ہے کہ قرآنِ مجید میں اسے ’’المیزان‘‘ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے‘ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ ایک جگہ پر اس کے لئے الھدیٰ یعنی الکتاب کے ساتھ ساتھ ’’دینِ حق‘‘ کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے۔ چند ایک مقامات پر الکتاب کے ساتھ ساتھ ’’المیزان‘‘ کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے۔ چنانچہ سورۂ حدید میں آیا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحدید: ۲۵)

’’ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں‘ اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے

اورلوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ معلوم ہوجائے کہ کون اس نظام کو دیکھے بغیر اللہ اوراس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے‘‘

نظامِ خلافت کے میزان (ترازو) ہونے کا اس سے اندازہ لگائیں کہ مثال کے طور پر یہ نظام ایک طرف خلیفہ کو پوری امت کا سربراہ بناتا ہے تو دوسری طرف اسے مسلمانوں کا خادم (**سید القوم خادمھم**) قرار دیتا ہے۔طلاق کی اجازت دیتا تو ہے مگر اسے ناپسندیدہ ترین فعل گردانتا ہے۔ پھر ہدایت کرتا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو رخصت کرتے ہوئے ایسا نہ کرنا کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس لے لو۔فرمایا انہیں بھلے طریقے سے رخصت کرنا اور محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکنا۔ یہ بھی تاکید کردی کہ جب مطلقہ عورتیں اپنی عدت پوری کر چکیں تو پھر اس میں مانع نہ ہونا کہ وہ اپنے زیرِ تجویز شوہروں سے نکاح کرلیں۔یتیم کے ساتھ اچھے سلوک کی یہ واسطہ دے کر تاکید کی کہ ہوسکتا ہے کل کو تمہارے اپنے بچے یتیم ہو جائیں۔ان کے اموال میں امانت داری کی بار بار تاکید کی۔ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی تو اسے شرط انصاف سے مشروط کردیا۔کمزور‘ بے بس اور محروم طبقوں کے حقوق کا خاص ذکر کیا۔ بیواؤں‘ مسکینوں‘ مریضوں‘ مسافروں‘ غلاموں‘ بیویوں‘ پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق‘ فلاح و بہبود اور دیکھ بھال کا بطورِ خاص اہتمام کیا (خلافت کی برکات و فیوض کا ذکر باب ششم میں ہم قدرے تفصیل سے بیان کریں گے)۔

چونکہ نظامِ خلافت میزان ہونے کے ناطے سے حق و باطل کے معیار کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا مذکورہ آیت (الحدید:25) میں اس کے نفاذ کا مطلب ہی بیان فرمایا ’’تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں‘‘۔سورۂ شوریٰ میں اسی طرح الکتاب کے علاوہ میزان کے بھیجے جانے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی اعلان کروادیا کہ **’’و امرت لاعدل بینکم‘‘** یعنی مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل وانصاف قائم کروں۔

قیامِ خلافت‘ اقامتِ دین اور غلبۂ دین لازم وملزوم:

سو بات جیسی ایک بات کہ حکومت واقتدار اگر بغیر اقامتِ دین ہوگا تو بغاوت کہلائے گا اور اگر اقامتِ دین کے ساتھ ہوگا تو اسلامی اصطلاح میں یہی خلافت ہے۔ جب بھی دین قائم ہوگا تو نتیجہ کے طور پر معرضِ وجود میں آنے والا نظام' نظامِ خلافت ہی ہوگا۔ اسی طرح خلافت قائم ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ اقامتِ دین کا کام اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ تکمیل پذیر ہوگیا۔

پھر دینِ حق اسی وقت قائم متصور ہوگا جب وہ غالب حیثیت میں ہوگا اور ادیانِ باطل سرنگوں ہوکر دینِ حق کی دی ہوئی سہولتوں اور رعایتوں سے مستفید ہوں گے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو دین ہی قائم نہیں ہوگا۔ مختصراً بات یہ سمجھ میں آئی کہ قیامِ خلافت اور اقامتِ دین ہی لازم وملزوم نہیں بلکہ قیامِ خلافت' اقامتِ دین اور غلبۂ دین تینوں حالتیں لازم وملزوم ہیں۔ اسی طرح بیان کیا گیا ان تینوں حالتوں کو یکجا کر کے (As a package deal) ملاحظہ ہو:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝ (النور: ۵۵)

''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لئے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے انکے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں''

ان تینوں حالتوں کی وسعت ودائرہ اختیار (JURISDICTION) میں اضافہ تو بتدریج ہوسکتا ہے لیکن جب بھی یہ وسعت پذیر ہوں گی بیک وقت ہوں گی۔

قیامِ خلافت کا کام......عظیم بھی مشکل بھی:

تاریخ بتاتی ہے کہ اس دنیا کے انسانوں نے حق وصداقت اور نظامِ عدل وقسط کی ہمیشہ مخالفت کی ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وقت کے ہر موڑ پر کچھ لوگ ہوشیاری وعیاری سے کام لے کر اپنے جیسے انسانوں کی گردنوں پر مسلط رہے ہیں۔انہوں نے کبھی یہ گوارانہیں کیا کہ ان کے اس تسلط کو کوئی چیلنج کرے۔ ہر معاشرے کے حکمران وہ مرکزی کردار رہے ہیں جنہوں نے پیغمبروں کی مخالفت میں ہراول دستے کا کام کیا۔اندازہ کریں رسول اللہﷺ کو صرف مدنی زندگی کے مختصر عرصہ میں 28 جنگیں ایسی لڑنی پڑیں جس میں ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کو خود شامل ہونا پڑا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اقامتِ دین کی جو جدوجہد انبیاء نے کی بالکل بشری سطح پر ہوئی۔ بسا اوقات پیغمبرﷺ اور اس کے ساتھی پکار اٹھے "**متی نصر الله**" کہاں ہے تیری نصرت اے اللہ۔

یہی وجہ ہے کہ سورۂ حدید کی مذکورہ آیت میں جہاں میزان یعنی نظامِ عدل وقسط کے نازل کئے جانے کا ذکر ہوا وہیں ''لوہے'' کا ذکر کیا گیا محض یہ سمجھانے کے لئے کہ قیامِ خلافت و اقامتِ دین کوئی کارِطفلاں نہیں۔عظیم کام کی خاطر شدید مخالفت کو کچلنے کے لئے عظیم جدوجہد درکار ہوگی۔محض وعظ ونصیحت سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ اکثر ایسے مراحل آئیں گے کہ توپ وتفنگ کو استعمال میں لانا ہوگا۔

پھر قیامِ خلافت کی جدوجہد اس وجہ سے مزید مشکل اور کوہ ہمالیہ کی سی نظر آتی ہے کہ یہ جدوجہد ایسے وقت میں کی جاتی ہے جب یہ نظام خود موجود نہیں ہوتا بلکہ ابھی ''غیب'' میں ہوتا ہے یعنی ابھی اس نظام کی اپنی فراہم کردہ قوت تگ ودو کرنے والوں کو بتمام وکمال میسر نہیں ہوتی۔وہ محض اس یقین پر ہر مشکل جھیل جاتے ہیں کہ ان کا اللہ بہر حال دیکھ رہا ہے کہ وہ کونسے عظیم انسان ہیں جو اللہ اور رسولﷺ کی اس وقت مدد کرتے ہیں جب وہ نظام ابھی کہیں دور دور نظر نہیں آتا۔اسی لئے سورۂ حدید کی مذکورہ آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ " **ولیعلم الله من ینصره ورسله بالغیب** ".

پھر اس آیت میں یہ بھی واضح کردیا کہ نظامِ خلافت جیسے نظامِ عدل وقسط کو لانا ہی وہ

''ایک کام'' ہے جس میں توانائیوں اور صلاحیتوں کو کھپا دینا ایسا ہے جیسے اللہ اور رسول ﷺ کی مدد کرنا۔ مزید وضاحت کردی کہ یہ جو اللہ کے کچھ بندوں کو ہم جان جوکھوں کے کام میں ڈالتے ہیں تو یہ کوئی اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ ہم کمزور ہیں۔ ہم تو بے شک بڑے ہی زور آور اور غالب ہیں یہ راستہ ہم اختیار کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ ہم کچھ انسانوں کو چھانٹ کر انہیں ان کی کارکردگی کے مطابق نوازنا چاہتے ہیں۔

حاصل کلام:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا خلافت' دینِ حق' میزان' نظامِ عدل وقسط وغیرہ ہم معنی اصطلاحات ہیں۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ خلافت کی اہمیت وضرورت اس قدر ذہنوں سے نکل گئی اور مسلمانوں میں یہ سوچ سرائیت کرگئی کہ خلیفہ وخلافت کے الفاظ ہماری تاریخ کا تو حصہ ہیں' دین کا نہیں۔ حالانکہ ہادیٔ برحق کا ارشادِ مبارک اوپر بیان کردہ خلافت کی ضرورت و اہمیت کو دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے کہ ''جو شخص اپنا ہاتھ نکال لے اطاعت سے وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہوگی اور جو شخص مر جاوے اور اس نے کسی امیر کی بیعت نہ کی ہو تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی (مسلم) ظاہر ہے ایسی موت جاہلیت کی سی اس لئے ہوگی کہ دورِ جاہلیت وہ دور ہے جس میں خلیفہ وخلافت کا وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رحلت کرنے والے خلیفہ کو اس وقت تک دفنانا ممنوع ہے جب تک کہ ہونے والے خلیفہ کو متمکن نہ کرلیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی امتی ایسے وقت میں نہ مرے کہ خلیفہ موجود نہ ہو۔ خاص بات جو نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ ایسی احادیث جن میں جماعت اور اطاعت کے بغیر والی موت کو جاہلیت کی سی موت قرار دیا گیا ہے یوں ہیں کہ **''من خرج من الجماعة''** **''من خرج من الطاعة''** اور **''من خرج من السلطان''**. یعنی ان احادیث میں جماعت کی بجائے الجماعت' اطاعت کی بجائے الطاعت اور محض سلطان کی بجائے السلطان (لام عہد کے ساتھ) کے استعمال سے اظہر من الشّمس ہے کہ یہ جماعت' یہ اطاعت اور یہ اقتدار کوئی عام

جماعت' عام اطاعت اور اور عام اقتدار نہیں۔ بلکہ جماعت سے مطلب ہے جو دنیا میں صرف ایک ہی ہو جیسے کہ امتِ مسلمہ اور اطاعت سے مراد اس امیر کی اطاعت ہے جو دنیا میں ایک ہی ہو یعنی خلیفہ اور اسی طرح اقتدار سے مراد وہ خاص اقتدار ہے جو دنیا میں ایک ہی ہو یعنی خلافت۔

نیز آپ کا یہ بھی ارشادِ مبارک ہے کہ جو کوئی اطاعت کرے امیر کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (مسلم)

ہم اپنی تاریخ پر ہی ذرا گہری نگاہ ڈالیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہماری عظمت کا زوال (ہماری تعداد اور ہمارے رقبے کا زوال نہیں) عین اس وقت شروع ہوا جب خلافت ملوکیت میں بدل دی گئی۔ پہلے خلیفہ کی جگہ مَلک نے آ ڈیرے جمائے۔ پھر کچھ عرصہ بعد مَلک سے ملوک (کئی بادشاہ) بن گئے۔ پھر ملک نے ملوک (نازک اندام) کا روپ دھار لیا' پھر طوائف الملوکی کا دور آیا اور بالآخر پوری امت غلامی کی زنجیروں میں ہی جکڑ دی گئی۔

قیامِ خلافت' اقامتِ دین اور غلبہ دین چونکہ لازم و ملزوم ہیں' جونہی قصرِ خلافت مسمار ہوا اسی وقت ''دین حق'' اور میزان میں بھی دراڑیں آ گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کے ادوار میں فتوحات بھی ہوئیں۔ بسا اوقات لوگوں کی معاشرتی و سماجی زندگی میں بھی نکھار آیا لیکن ظاہر ہے فتوحات و نکھار تو غیر مسلم حکومتوں اور طاغوتی طاقتوں کے زیرِ سرکردگی بھی آ جاتا ہے۔ اصل میں بعد کے ادوار میں ہونے والی فتوحات و نکھار اسی جانگسل جدوجہد کا ثمر تھا جو دورِ نبوت اور دورِ خلافت راشدہ میں ہوئی۔ ورنہ خلافت کے ختم ہوتے ہی ''میزان'' والی بات نہ رہی۔ ہوا کا رخ یکسر بدل گیا۔ حکمرانوں کی زندگی میں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ آ گئے۔ بیت المال رعایا کی امانت نہ رہا بلکہ حکمرانوں کا ذاتی خزانہ بن گیا۔ اظہار رائے کی آزادی نہ رہی۔ قاضی و قضاہ کا نظام مفلوج ہو گیا۔ شورائی نظام میں دراڑیں پڑ گئیں' دین اور سیاست عملاً علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ حکمران شرعی حدود سے انحراف کرنے لگے اور وہ امیر المؤمنین کی بجائے امیر العرب بلکہ امیرِ قبیلہ اور امیر کنبہ بن گئے۔ دین کے کچھ حصوں پر عمل ہونے اور کچھ پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے

امتِ مسلمہ کی عظمت کا گراف نیچے ہی نیچے لڑھکتا چلا گیا بلکہ مسلمان قانونِ فطرت کی اس دفعہ کی زد میں آ گئے جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۸۵)

''تو کیا تم کتاب کے کچھ حصوں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو''۔

وقت کے کسی بھی موڑ پر اگر کسی نے اس ذلت ورسوائی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو اور اسلام والوں کو پھر سے غالب حیثیت میں دیکھنا ہو تو نسخۂ کیمیا ایک ہی ہے کہ خلافت کو اپنی مکمل صورت میں پھر بحال کیا جائے۔ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔

حدیث: بے شک تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیے جاؤ گے۔ پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے وہ ان کے بارے میں سوال کی جاوے گی اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جاوے گا' پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا۔

(بخاری، مسلم)

جدول

مقصدِ تخلیقِ آدم

عبادت

عبادت ممکن نہیں

جب تک

پورے اسلام پر عمل نہ جائے

پورے اسلام پر عمل ممکن نہیں

جب تک

قرآن وسنت کا علم نہ ہو

قرآن وسنت کا علم ہونا ممکن نہیں

جب تک

تبلیغ واشاعتِ دین کا بندوبست نہ ہو

تبلیغ واشاعتِ دین کا بندوبست ہو نہیں سکتا

جب تک

بذریعۂ جہاد اسلام کو دنیا پر غالب نہ کر دیا جائے

غلبۂ اسلام ممکن نہیں

جب تک

موجودہ تمام اسلامی ممالک کو ملا کر ایک عظیم تر اسلامی مملکت ''دارالسلام'' کو معرضِ وجود میں نہ لایا جائے

اور جب تک

خلیفہ وخلافت متمکن نہ ہوں

جہاد، جمہوریت اور نفاذِ اسلام سے متعلق کنفیوژن!

......مولانا زاہدالرشدی

مسلم ممالک میں نفاذِ اسلام، جہاد اور جمہوریت کے حوالے سے ایک خاص طرح کی کنفیوژن کم و بیش پورے عالم اسلام میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے اور نفاذِ اسلام کے خواہاں دینی حلقے ہر مسلم ملک میں ایک طرح کی ذہنی و فکری کشمکش سے دوچار ہیں۔

نفاذِ اسلام تو دنیا بھر کے اکثر مسلمانوں کی دلی خواہش ہے اور اس کے لیے بیسیوں ممالک میں کسی نہ کسی درجے میں محنت بھی ہو رہی ہے، لیکن بعض بنیادی امور پر ذہن واضح نہ ہونے کی وجہ سے اکثر مقامات پر یہ محنت اور جدوجہد وہ ثمرات نہیں دے رہی جن کی ان سے توقع کی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں اسلامی ریاست اور شرعی حکومت کے حوالے سے کام کرنے والے حلقوں کو چند مختلف دائروں میں تقسیم کر کے اس صورتحال کا زیادہ بہتر طور پر تجزیہ کیا جا سکتا ہے:

مسلم ممالک کی قومی سیاست میں ایک طبقہ جو اس وقت سب سے زیادہ مؤثر، فعال اور باوسائل ہے، ان لوگوں پر مشتمل ہے جو مسلمان ہونے کے ناتے سے اسلام کا نام ضرور لیتے ہیں لیکن ان کے ذہن میں اسلام کے ایک نظام ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے، بلکہ نفاذِ اسلام یا کسی اسلامی قانون کی ترویج کے مطالبہ پر انہیں تعجب ہوتا ہے اور وہ اسے ''بے وقت کی راگنی'' سمجھتے

ہیں۔ مسلم دنیا کے حکمران طبقات زیادہ تر ایسے ہی افراد پر مشتمل ہیں اور ایک اسلامی ریاست کی تشکیل یا کسی مسلمان ملک میں قرآن وسنت کے قوانین کے عملی نفاذ کی راہ میں وہ ایک مضبوط رکاوٹ ہیں۔

ایک طبقہ وہ ہے جو نفاذِ اسلام کے عنوان سے گھبراتا تو نہیں لیکن اس کے نزدیک اسلام صرف چند اسلامی عبادات وشعائر کا نام ہے اور وہ عبادات واخلاق کے دائرے سے ہٹ کر نفاذ کے درجے میں اسلامی قانون اور شریعت کے کسی ضابطے کو روبہ عمل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مسلم ممالک کی قومی سیاست میں ایسے افراد بھی بکثرت موجود ہیں اور بدقسمتی سے سیکولر حلقوں کے مقابلے میں ایسے لوگوں کو ہی اسلامی حلقے تصور کر کے عام مسلمان ان سے اس قسم کی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں جو پوری نہ ہونے پر مایوسی پھیلتی ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے جو فی الواقع نفاذِ اسلام کا خواہاں ہے اور یہ لوگ ملک کے دستور و قانون میں قرآن وسنت کی بالادستی اور اس پر عملدرآمد پر یقین رکھتے ہیں لیکن اس کے لیے رائے عامہ کو ہموار کرنے، رولنگ کلاس کی ذہن سازی، نفاذِ اسلام کے لیے ضروری رجال کار کی تیاری اور نفاذِ اسلام کے سلسلے میں جدید ذہن کے اشکالات واعتراضات کا منطقی طور پر جواب دے کر اس کی تشفی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جس کی وجہ سے انہیں کسی جگہ بھی کامیابی حاصل نہیں ہو رہی۔

ایک طبقہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو رائے عامہ، ووٹ اور سیاسی عمل کے ذریعے نفاذِ اسلام کی جدوجہد کو ''کارِ بے کاراں'' سمجھتے ہیں۔ ان کی ایک بڑی تعداد اس سارے کام سے کنارہ کش ہو کر خود کو عبادت وریاضت میں مشغول رکھے ہوئے ہے اور نفاذِ اسلام کے سارے کام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی کے ظہور کے ساتھ متعلق سمجھ کر ان کے انتظار میں شب وروز مصروف ہے۔ جبکہ ان لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں جو ان ساری رکاوٹوں اور کوتاہیوں کے

ردعمل میں جذباتیت کا شکار ہو کر ہتھیار بکف ہیں اور ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق شہادتوں اور قربانیوں کو اس جدوجہد کا واحد راستہ سمجھے ہوئے ہیں۔

اسلامی نظام کی تعبیر وتشریح کے حوالے سے بھی اسی طرح کی کنفیوژن پائی جاتی ہے:

بہت سے لوگ وہ ہے جو جدید سیاسی اور معاشرتی نظریات وافکار کو بالکل مسترد کرتے ہوئے نفاذِ اسلام کے عمل کو اب سے صدیوں قبل کے ڈھانچے اور اسٹرکچر کے ساتھ دوبارہ مسلم معاشرے میں لانا ضروری سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس ناگزیر فرق کو سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ آج کے دور میں نہ تو محض طاقت کو حقِ حکمرانی کا جواز قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی خاندانی تقدس ووجاہت کسی کے حق حکمرانی کی وجہ بن سکتا ہے۔ جبکہ آج کا دور حقِ حکمرانی کے حوالے سے خلافتِ راشدہ کے نکتۂ آغاز کی طرف واپس جاچکا ہے کہ حقِ حکمرانی صرف اس کو حاصل ہوگا جسے عوام کے اعتماد وقبول کی سند حاصل ہوگی۔

نفاذِ اسلام کے لیے ہتھیار اٹھانے والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ایسی ہے جو ان لوگوں کی تکفیر کو ضروری سمجھتی ہے جو ان کے تجویز کردہ نقشے اور طریق کار سے اتفاق نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے خیال میں نفاذِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہیں، ان کی جدوجہد میں کسی سطح پر مزاحم ہوتے ہیں یا ان کا اس طرح ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس طرح وہ چاہتے ہیں۔ اور بات صرف تکفیر تک نہیں رکتی بلکہ تکفیر کے بعد انہیں راستے سے ہٹا دینا بھی ''جہاد'' کا لازمی حصہ قرار پاتا ہے۔

مغربی فکر وفلسفہ کو بالکل مسترد کردینے یا کلیتاً قبول کرلینے کی دو انتہاؤں کے درمیان ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کا قائل ہے۔ لیکن جدید سیاسی نظریات اور اسلام کے سیاسی نظام کے درمیان مطابقت وموافقت اور مخالفت وتفاوت کو واضح کرنے کے لیے جس علمی محنت اور جگر کاوی کی ضرورت ہے، وہ بالکل مفقود دکھائی دیتی ہے۔

اسی تناظر اور پس منظر میں اپنے ان بزرگوں کی بصیرت و تدبر کی داد دینا پڑتی ہے جنہوں نے اسلام کے نام پر قائم ہونے والے نئے ملک پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ان سارے مسائل کا جائزہ لے کر اجتماعی اجتہاد کے ذریعے ایک متوازن راستہ اختیار کیا اور نفاذِ اسلام کے لیے ”قرارداد مقاصد“ اور تمام مکاتبِ فکر کے ۳۱ سرکردہ علماء کرام کے مرتب کردہ ۲۲ متفقہ دستوری نکات کی صورت میں جامع، قابلِ عمل اور صحیح رخ طے کر دیا جس کی بنیاد ان نکات پر تھی کہ:

حقِ حکمرانی عوام کے اعتماد کی صورت میں حاصل ہوگا اور وہی حکومت کر سکیں گے جنہیں عوام اس مقصد کے لیے منتخب کریں گے۔

ریاست و حکومت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور قرآن و سنت کی بالادستی کے تابع ہوگی۔

نفاذِ اسلام کے لیے پُرامن جدوجہد کا راستہ اختیار کیا جائے گا اور اس مقصد کے لیے عسکریت کا راستہ اختیار کرنے سے مکمل گریز کیا جائے گا۔

نفاذِ اسلام کے لیے قرآن و سنت اور امت کا اجماعی تعامل ہی بنیاد ہوگی۔ جبکہ جدید ضروریات اور تقاضوں کو نظام کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کے لیے اجتہاد کے شرعی اصولوں سے کام لیا جائے گا۔

ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کی دینی جماعتیں اور علمی مراکز اگر اپنے ان اجتماعی اصولوں کا صحیح پہرہ دیتے اور اجتماعی اجتہاد کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے دنیائے اسلام کی راہنمائی کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتے تو شاید اس کنفیوژن کی نوبت نہ آتی جس کی جھلکیاں بعض عسکریت پسند اسلامی تنظیموں کے رہنماؤں کے بیانات میں نظر آتی ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا صحیح راستہ آج بھی یہی ہے۔ اللہ کرے کہ پاکستان کے دینی حلقے اور علمی مراکز اپنی اس ذمہ داری کا اب بھی سنجیدگی کے ساتھ احساس کر سکیں، آمین یارب العالمین۔

نفاذِ شریعت کا اولین نمونہ

......سعید احمد حسن

تاریخ انسانی میں عدل اجتماعی کی سب سے پہلی مثال اسلام نے پیش کی' جب سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے' مشرکینِ مکہ نے ان پر زندگی تنگ کردی تو انہوں نے اپنا سارا مال' جائیداد' گھر' رشتے دار اور بعض نے اپنے بیوی بچے بھی وہیں چھوڑ دیئے' خالی ہاتھ مدینہ منورہ پہنچے' وہاں ان حضرات کے قیام' طعام اور زندگی گزارنے کا کوئی ذاتی انتظام نہیں تھا' اتنی بڑی تعداد کو بطورِ مہمان رکھنا بھی کسی کے لیے آسان نہیں تھا' آنحضرت ﷺ نے مواخات قائم کی اور ہر ایک انصار صحابی کا ایک مہاجر صحابی کو بھائی قرار دیا گیا' انصار نے اس بھائی چارے کو اس خوش اسلوبی سے ادا کیا کہ آج تک انسانی تاریخ نے اس کی نظیر دوبارہ نہیں دیکھی۔ انصاری صحابی اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جا کر کہتا اس گھر میں جتنا کچھ ہے' اس میں سے اپنے لیے جتنا چاہو اٹھالو اور جتنا چاہو میرے لیے چھوڑ دو۔ عدل اجتماعی کے اس عظیم مظہر کو تاریخِ اسلام میں مواخات کا نام دیا گیا۔ مواخات محض کسی ذہنی منصوبے کا نام نہیں' کسی مفکر کے اس فلسفے کا نام نہیں جسے صرف کتابوں کی زینت بننے کے لیے لکھا جاتا ہے یا ایک خالی خولی نعرے کا نام نہیں جسے کسی انقلابی تحریک میں لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے سیاسی لیڈر استعمال کرتے ہیں۔ مواخات کا یہ عمل ایک حقیقت اور ایک عظیم ماڈل کا نام ہے' جس کا مشاہدہ چشم فلک نے کیا' جسے تاریخ انسانی کی عدالت اور اجتماعی مفادات کی تحریکوں کے لیے ایک مشعل راہ کے طور پر جانا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کی ریاست وہ پہلی ریاست ہے جس میں مختلف اقوام و مذاہب کے اکٹھے رہنے کے لیے باقاعدہ ایک میثاق اور ایک معاہدہ نامہ تشکیل دیا گیا' جس میں اقلیت اور اکثریت دونوں کے مفادات کا بھرپور خیال رکھا گیا۔ آج کی دنیا انسانی حقوق اور مذہبی رواداری کے معاملے پر جتنے بھی نعرے جانتی ہے ان نعروں میں اگر کوئی نعرہ واقعی انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے تو وہ مدینہ کی تاریخی ریاست کے آئین کا ہی حصہ ہے۔ بڑی کم نصیبی کی بات ہے کہ آج ہمارے ملک میں یہ ابہام پیدا کیا جا رہا

ہے کہ شریعت کے نفاذ کا کیا تصور ہے‘ یوں لگتا ہے کہ شاید شریعت اور اس کا نظام ایک خیالی منصوبہ ہے جس کا زندگی سے کبھی عملی طور پر واسطہ نہیں رہا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے مختلف معاملات میں ملکی و بین الاقوامی معاہدات کے اٹل اور اہم اصول کی نہ صرف تشکیل فرمائی بلکہ ان کو عملاً نافذ بھی کر دیا۔

آج دنیا معاشی مساوات کی بات کرتی ہے‘ سوشل ازم نے معاشی برابری‘ مساوات اور انصاف کے نعرے کو خوب اچھالا‘ یہاں تک کہ سوشل ازم سے متاثر لوگ اسلام کے نظامِ عدل کو سرمایہ داری اور جاگیرداری کے محافظ ہونے کا طعنہ بھی دیتے رہے‘ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کے نعرے فقط زبانی تھے‘ سوشل ازم کے رہنما خود بڑے بڑے جاگیردار تھے اور انہوں نے اپنی عملی زندگی میں کبھی بھی ایک عام آدمی کی حیثیت اختیار نہیں کی‘ سوشل ازم آخر میں بدترین اجارہ داریوں کا گھر بن گیا اور عملاً ناکامی کے بعد دنیا سے پسپا ہو گیا۔

اسلام کس طرح کی مساوات اور معاشی انصاف چاہتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت دیکھئے‘ وہی ریاست مدینہ جس میں آنحضرت ﷺ نے مواخات کے ذریعے عدل اجتماعی کا بے مثال نظام پیش فرمایا تھا‘ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عدل و انصاف کو ایک نئی جہت دے دیتے ہیں‘ اس میں وسعت اختیار کرتے ہیں‘ ریاست کو عوام کے ہر فرد کی تمام ضرورتوں کی ذمہ دار قرار دیتے ہیں‘ سربراہ ریاست کو ایک عام آدمی کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں‘ امیر المؤمنین کے لیے بھی اسی حد تک سرکاری مراعات روا رکھتے ہیں جتنی عام فرد کو حاصل ہیں۔ قحط کے زمانے میں عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے گندم کی روٹی پیش کی جاتی ہے‘ وہ پوچھتے ہیں کہ کیا مدینے کا ہر شہری گندم کی روٹی کھا رہا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین! نہیں‘ ہر شہری کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ گندم حاصل کرے‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر مجھے کیا حق ہے کہ میں اکیلے گندم کی روٹی کھاؤں؟ میں نہیں کھاتا‘ جب میں نے اہل مدینہ کو نہیں کھلایا تو مجھے بھی کھانے کا حق نہیں۔

ایک گھرانے میں اپنے صاحبزادے کے رشتے کی بات کرنے جاتے ہیں‘ اس گھر کے لوگ بہت خوش ہو کر رشتہ قبول کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں: یہ میرا بیٹا ہے‘ اس کے لیے رشتہ مانگنے آیا ہوں لیکن تم اس دھوکے میں بالکل نہیں رہنا کہ یہ امیر المؤمنین کا بیٹا ہے‘ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوگی‘ ہرگز نہیں‘ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے‘ یہ عام آبادی کا ایک فرد ہے‘ اب تمہاری مرضی ہے کہ

اس کو رشتہ دے دو یا انکار کر دو۔ اب سوچیں کہ رشتہ مانگنے والا کس طرح اپنی ساکھ بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ دوسرا خاندان رشتہ دے دے' حضرت عمرؓ نے اس بات کو بھی برداشت نہیں کیا کہ کسی کو میرے خاندان کے متعلق مالدار ہونے اور سرکاری مراعات سے استفادے کا خیال گزرے۔ یہ اسلامی تاریخ کی زندہ مثالیں ہیں' یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں زندگی نے یہ واقعات دیکھے اور تاریخ نے ان کو محفوظ کیا' لاکھوں لوگوں نے ان کا مشاہدہ کیا' محض خیال و خواب کی باتیں نہیں ہیں' اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسلام اور شریعت نافذ ہونے کا تصور نا قابل فہم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود فہم سے معذور ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان سمیت دیگر تمام اسلامی ممالک میں ترقی' معاشی انصاف' رواداری' امن عامہ وغیرہ کی باتیں نعروں کی حد تک تو بہت کی جاتی ہیں' اس کے لیے مختلف مغربی ممالک کو بطور آئیڈیل بھی پیش کرتے ہیں' بہت سے مغربی مفکرین اور دانشوروں کے افکار اور فلسفوں کو دہرایا بھی جاتا ہے' لیکن دین' شریعت' اسلامی تعلیمات اور تاریخ اسلام کے زریں واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے شرمندگی محسوس کی جاتی ہے۔ جو لوگ اسلامی نظام کی افادیت کے قائل ہیں وہ بھی پسپا ہوتے نظر آتے ہیں ۔بعض لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ترقی اور شعور کے اس دور میں پرانی باتوں کی کوئی افادیت نہیں ہے' حالانکہ اسلام جس عدل اجتماعی اور معاشی انصاف کی بات کرتا ہے اور جو مثالیں اسلام نے اس ضمن میں پیش کی ہیں وہ آج کی دنیا میں مشکل سے نظر آتی ہیں۔ اس لیے شریعت کے مطالبے سے گھبرانے والے کسی مخصوص گروہ کی شریعت نہیں ماننا چاہتے ہیں تو نہ مانیں' صرف وہ نظام قائم کرنے کی طرف قدم بڑھائیں جو آنحضرت ﷺ نے مدینے کی ریاست میں تشکیل دیا' وہ مثالیں ڈھونڈنے کی کوشش کریں جو حضرت عمرؓ کی زندگی میں جا بجا ملتی ہیں' جن اصولوں پر آج کی ترقی یافتہ مغربی دنیا فخر کرتی ہے اور کئی جگہ پر با قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم آلاؤنسز جاری ہوتے ہیں۔ عمرانیات کے وہی اصول کامیابی سے دنیا میں رائج ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیے تھے۔ امن' انصاف' رواداری' مساوات' انسانی حقوق اور عدالت اجتماعی کا وہ ماڈل اختیار کریں جو عہد فاروقی میں تھا' وہ مکمل نہیں کر سکتے تو اس کی طرف بڑھنے اور اس کی تقلید کرنے کا سنجیدہ عزم کر لیں تو بھی بڑی بات ہے۔ مولوی کی شریعت بالکل نہ مانیں' شریعت کی وہ تشریح مانیں جو تاریخ میں محفوظ اور مستند علمی شواہد جس کی تائید کرتے ہیں۔

ہماری دیگر تصانیف

نام کتاب	مصنف	قیمت
کتاب خلافت (پہلا ایڈیشن)	چودھری رحمت علی	50روپے
کتاب خلافت (دوسرا ایڈیشن)	چودھری رحمت علی	250روپے
جواز خلافت (اسلام انسانیت کا دین ہے)	چودھری رحمت علی	50روپے
خلافت ہمارے جملہ مسائل کا حل (کتابی شکل)	چودھری رحمت علی	50روپے
اسلام پر کیا گزری؟	چودھری رحمت علی	15روپے
شہادت علی الناس۔ ہمارا فرضِ منصبی	چودھری رحمت علی	20روپے
خلافت راشدہ	پروفیسر عبدالجبار شاکر	15روپے
عصرِ حاضر کے مسلمان اور اسلام	چودھری رحمت علی	20روپے
قرارِ مقاصد میں وائرس	مہندس محمد اکرم خان سوری	125روپے
انسانیت کا دین؟ جمہوریت یا خلافت	ڈاکٹر نجم الدین	50روپے
الہ العالمین اور انسان	ڈاکٹر نجم الدین	250روپے

نوٹ:۔ پورا سیٹ -/800روپے میں مہیا کر دیا جائے گا۔ ڈاک خرچہ بذمہ ادارہ

"سبق پھر پڑھ" کی جلدیں

جلد پنجم	جنوری 2005 تا دسمبر 2006
جلد ششم	جنوری 2007 تا دسمبر 2008
جلد ہفتم	جنوری 2009 تا دسمبر 2010
جلد ہشتم	جنوری 2011 تا دسمبر 2012
جلد نہم	جنوری 2013 تا دسمبر 2014
جلد دہم	جنوری 2015 تا دسمبر 2016

قیمت فی جلد -/250 روپے
ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

ملنے کا پتہ: دارُالسلام واپڈا ٹاؤن، لاہور۔ فون 0300 - 8425428

Cell: 0300 - 8425428
Phone: 042 - 35187003
Fax: 042 - 35187003

Monthly
SABAQ PHIR PARRH
Lahore

Regd: CPL No. 91
Web: www.azmateislam.com
Email: khalafat@hotmail.com

ریاستِ مدینہ

حکومتِ وقت کی آج ریاستِ مدینہ کی طرز کی ریاست مسلمانانِ پاکستان بلکہ مسلمانانِ عالم کیلئے ایسی خوش کن صدائے سکون ہے کہ جس کی ٹھنڈک فرشتے بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اسی خواہش کو وہ روح بھی محسوس کرتے ہونگے جو اللہ کے ہاں چلے گئے اس لیے کہ پاکستان کا وجود ہی اس غرض کیلئے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ ایک ایسی اسلامی ریاست کو معرضِ وجود میں لایا جائے گا جو قرآن وسنت کے کام کو بطور نمونہ کا پتہ دے گی۔

شاید یہ حقیقت ہمارے ذہن میں نہیں سماتی کہ ایسی ریاست صرف ایک ہی صورت میں وجود پذیر ہوسکتی ہے کہ انسان ساختہ آئین جو ہمارے ہاں اس وقت ہے کی بجائے قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنایا جائے۔ دورِ نبوت میں بھی مدینہ میں ایسی ریاست کبھی معرضِ وجود میں نہ آتی اگر 73ء کی طرح کا انسان ساختہ آئین بروئے کار لایا جاتا۔ دراصل مدینہ طرز کی ریاست کا نام لینے سے پہلے یہ اعلان ہونا چاہیے تھا کہ ہمارے ہاں مملکتِ عزیز میں قرآن وسنت بلکہ قرآن ہی آئینِ مملکت ہوگا کیونکہ قرآن میں خود سنت شامل ہے۔ اور تو اور محمد علی جناحؒ سے جب آئینِ پاکستان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں آئین چودہ سو سال پہلے کا یعنی قرآنِ مجید ہے۔ سخت غلطی پر ہے وہ جو ہمارے ہاں موجودہ یعنی اللہ ساختہ آئین کی بجائے انسان ساختہ آئین سے مدینہ کی سی ریاست قائم کرنے کی امید رکھے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر تا قیامت ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ سو بات کی ایک بات ہے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر مدینہ کی سی ریاست کو معرضِ وجود میں لانے کی خواہش ایسے ہی ہے جیسے کہ وضو کیے بغیر نماز کا ادا کرنا۔

الداعی الی الخیر:
تحریکِ عظمتِ اسلام دارالسلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور
فون: 0300-8425428, 0321-4114584